جدید معاشی کاروبار میں محدود ذمہ داری کا تصور اور اسلام کا نقطہ نظر

* مفتی عبدالوہاب

محدود ذمہ داری کا مفہوم

محدود ذمہ داری کا مطلب یہ ہے کہ جب کاروباری کمپنی تحلیل ہوگی تو اس کے حصہ داران اس کے دیون کے اپنے حصص (Shares) کے بقدر ذمہ دار ہوں گے۔ جتنی رقم کے (Shares) حصے انہوں نے خریدے ہیں اور ان کی رقم ادا کردی ہے یا اس کی ادائیگی ان کے ذمہ ہے صرف اسی رقم کی حد تک ان کی ذمہ داری ہوگی۔ یعنی اگر کمپنی دیوالیہ ہوکر تحلیل ہوتی ہے تو حصہ داروں (Shares Holders) کا زیادہ سے زیادہ یہ نقصان ہوگا کہ انہوں نے جو رقم کمپنی میں لگائی ہے یا حصص خریدکران کی رقم کی ادائیگی اپنے ذمہ لی ہے، وہ ڈوب جائے گی۔ اگر کمپنی کے اثاثوں (Assets) میں گنجائش نہیں ہے اور مزید دیون اور قرضے اس کے ذمے باقی ہیں تو حصہ داروں سے ان دیون و قرضوں کا مطالبہ نہ ہوگا۔

چنانچہ Reams لکھتا ہے:

> ''حصہ داروں کی ذمہ داری عموماً اس رقم تک محدود ہوتی ہے جو وہ کاروبار میں لگاتے ہیں۔ حصہ داروں کی حیثیت سے کاروبار کے مالک ذاتی طور پر کاروبار کے قرضوں کے قانوناً ذمہ دار نہیں۔ تنظیم کا یہ طریقہ کار سرمایہ لگانے والے کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنا خطرۂ نقصان یا ذمہ داری اس حقیقی رقم تک محدود کردے جو وہ کاروبار میں لگاتا ہے۔ اگر کاروباری ادارہ دیوالیہ ہوگا تو قرض خواہ اپنے قرضوں کی وصولی کے بارے میں صرف کارپوریشن اور کمپنی کے اثاثوں پر نگاہ رکھ سکتے ہیں۔ (۱)

---

* لیکچرر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج بٹ گرام۔

محدود ذمہ داری کا آغاز

محدود ذمہ داری (Limited Liability) جدید معاشی کاروبار میں ایک اہم اصول اور حصہ داروں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت سمجھی جاتی ہے۔ یہ تصور ایک اصول کی حیثیت سے انگلستان کے کاروباری قانون (Corporate Law) میں اس وقت شامل کیا گیا جب کہ متعدد کمپنیوں کے ناظمین (Directors) نے لوگوں سے قرضے وصول کیے اور ان کو بے جا صرف کر دیا جس سے وہ کمپنیاں دیوالیہ ہوگئیں۔ ان کمپنیوں کے اثاثوں میں ان قرضوں کی ادائیگی کی گنجائش نہیں تھی اس لیے قرض خواہوں کے قرضوں کی ادائیگی حصہ داروں کی ذاتی جائیداد سے ہوئی۔ غفلت و لاپرواہی یا خیانت تو ناظمین کی تھی جب کہ نقصان کے ذمہ دار حصہ دار ٹھہرے۔ چنانچہ اس صورت حال سے بچنے کے لیے ۱۸۴۴ء میں محدود ذمہ داری کا قانون (Limited Liability Act,1844) نافذ کیا گیا۔ (۲)

پاکستانی قوانین میں بھی محدود ذمہ داری کا یہ تصور اپنایا گیا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے کمپنیز آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۴ء میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

> "Company Limited by guarantee" means a company having the liability of its members limited by the memorandum to such amount as the memberes may respectively thereby undertake to contribute to the assets of the company in the event of its winding up(3)

> ’’کمپنی محدود بہ ضمانت‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ ایسی کمپنی جو اپنے ممبران کی ذمہ داری یادداشت کے ذریعہ اس رقم تک محدود رکھتی ہے جو انہوں نے بحیثیت ممبران کمپنی کی تحلیل کے موقع پر کمپنی کے اثاثوں میں جمع کرنے کی ذمہ داری لی ہے۔‘‘

محدود ذمہ داری اور فقہی نظائر

محدود ذمہ داری کے شرعی جواز پر مختلف نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے اور اس کو جائز قرار دینے کے لیے بعض فقہی نظائر کا سہارا لیا گیا ہے۔ ان نظائر میں سے کوئی بھی اس کو سندِ جواز فراہم کرنے کے لیے ٹھوس بنیاد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ذیل میں ہر ایک پر بحث کے دوران اس نکتے کی پوری وضاحت ہو جائے گی۔

مضاربت

محدود ذمہ داری کے لیے مضاربت کو نظیر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جب رب المال، مضارب کو استدانت (to buy on credit) کی اجازت نہ دے اور مضارب پھر بھی استدانت کرے تو اس بنیاد پر جتنے دیون اور قرضے لازم ہوں گے ان میں رب المال کی ذمہ داری صرف دیئے ہوئے سرمائے کی حد تک محدود ہوگی۔ اس سے زائد کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ (۴) چنانچہ محدود ذمہ داری کے اصول کے مطابق حصہ داران بھی صرف اپنے حصص کے ادا کردہ سرمائے کی حد تک کمپنی پر لازم دیون اور قرضوں کے ذمہ دار ہوتے ہیں ان سے زائد کی ذمہ داری ان کی نہیں۔

درحقیقت مضاربت میں مذکورہ صورت تب ہے جب کہ رب المال، مضارب کو استدانت کی اجازت نہ دے۔ لیکن تقریباً تمام کمپنیوں کے کیفیت ناموں (Prospectuses) میں یہ بات درج ہوتی ہے کہ کمپنی ضرورت کے مواقع پر بینکوں، اداروں اور افراد سے قرضے لے سکے گی اور جو لوگ کمپنی کے حصہ دار بنتے ہیں ان کو یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ لہذا جب وہ کیفیت نامے کو دیکھ کر کمپنی کے حصص خریدتے ہیں تو ان کی طرف سے کمپنی کو اجازت مل جاتی ہے کہ وہ کاروبار کے لیے استدانت کر سکتی ہے اور جب رب المال مضارب کو استدانت کی اجازت دے تو اس کی ذمہ داری محدود نہیں رہتی ہے بلکہ نصف دیون کی ذمہ داری اس کی ہوتی ہے اور نصف مضارب کی۔ (۵)

لیکن اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ کیفیت نامے میں یہ بھی درج ہوتا ہے کہ حصہ داروں کی ذمہ داری محدود ہوگی لہذا اس کی صحیح نظیر یہ ہے کہ رب المال مضارب کو اس شرط پر استدانت کی اجازت دے کہ واجب دیون کی ساری ذمہ داری مضارب کی ہوگی رب المال کی نہیں اور مضاربت میں ایسی شرط لگانا جو مقاصدِ مضاربت میں خلل انداز نہ ہو جائز ہے۔

چنانچہ اصل قابل غور بات یہ ہے کہ مضاربت میں رب المال کی ذمہ داری تو محدود ہو سکتی ہے مگر مضارب کی ذمہ داری محدود نہیں ہوتی ہے، لہذا دائنین رب المال کے سرمائے سے زائد دیون مضارب سے وصول کریں گے۔ اور دائنین کا ذمہ ''خراب'' (۶) نہیں ہوتا۔ لیکن کمپنی میں ناظمین کی ذمہ داری بھی محدود ہے اور خود کمپنی جو شخص قانونی ہے اس کی ذمہ داری بھی محدود ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمپنی کے اثاثوں سے زائد دائنین کا جو دَین ہوگا اس کی وصولیابی کی کوئی صورت نہیں رہتی ہے بنابریں محدود ذمہ داری کے اصول کو مضاربت پر قیاس کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔

عبدِ ماذون

عبد ماذون سے مراد فقہاء کی اصطلاح میں وہ غلام ہے جسے اپنے آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے وہ تجارت کرتے ہوئے جو منافع کمارہا ہے وہ اُس کے آقا کا ہوتا ہے۔ یہ غلام اور اپنے آقا کا مملوک ہوتا ہے جب کہ اس کو اپنے آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت ہوتی ہے جو تجارت کرتا ہے اور اس سے جو منافع یہ حاصل کرتا ہے اس کا بھی آقا ہی مالک ہوتا ہے۔ اس پر تجارت کے سلسلے میں اگر دیون واجب ہوں تو وہ اس غلام کی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے، اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور نہ آقا سے۔ یہاں بھی دائنین کا ذمہ ''خراب'' ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نظیر محدود ذمہ داری سے زیادہ قریب اس لیے ہے کہ جیسے کمپنی میں حصہ داروں کے زندہ ہوتے ہوئے بھی دائنین کا ذمہ ''خراب'' ہو جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی آقا کے زندہ ہوتے ہوئے دائنین کا ذمہ ''خراب'' ہے۔ (۷)

یہ نظیر دلچسپ ضرور ہے مگر محدود ذمہ داری کو اس پر قیاس کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، اس لیے کہ عبد ماذون میں ایسا نہیں ہے کہ دائنین کو غلام سے کسی بھی وقت مطالبے کا حق نہ ملتا ہو۔ چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غلام کو بیچنے کے بعد اس کی قیمت سے جو زائد دیون ہوں گے وہ غلام کے ذمے واجب الاداء ہوں گے اور غلام کی آزادی پر اس سے وصول کیے جائیں گے۔ فقہاء کرام کے ہاں اس بارے میں آراء کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ عبد ماذون پر بسبب تجارت جو دیون واجب ہو جاتے ہیں ان کا تعلق اس کے ذمہ یا اس کی گردن (ذات و قیمت) سے ہوتا ہے یا یہ کہ ان کا وجوب آقا کے ذمہ ہوتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں دوروایتیں ہیں:

ایک یہ کہ ان واجب شدہ دیون کا تعلق عبدِ ماذون کی گردن (قیمت) سے ہوتا ہے۔

دوسری یہ ہے کہ ان کا وجوب آقا کے ذمہ ہوتا ہے۔(۸)

دوسری روایت ان کے ہاں راجح ہے۔(۹) معلوم ہوا کہ حنابلہ کے نزدیک عبدِ ماذون کے دائنین کا ذمہ خراب نہیں ہوتا اور آقا کے ذمے ان دیون کی ادائیگی لازم ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک عبدِ ماذون کے دیون خود اس کے ذمہ پر واجب ہوتے ہیں، اس کے رقبہ سے متعلق نہیں ہوتے۔ دائنین اپنے دیون اس کے ان اموال سے وصول کریں گے جو اس کو میراث، ہبہ اور وصیت وغیرہ کے ذریعے ملیں گے جب کہ اس کی محنت کی کمائی اس کے آقا کی ہوگی۔ اگر اس طور سے دائنین کے دیون وصول نہ ہوئے تو جب بھی یہ آزاد ہوگا دائنین اس سے اپنے دیون وصول کریں گے اور یہ دیون کسی بھی حال میں اس سے ساقط نہ ہوں گے۔(۱۰)

حنفیہ کے نزدیک عبدِ ماذون کے دیون اس کے رقبہ (گردن) سے متعلق ہوتے ہیں، پھر تفصیل یہ ہے کہ آقا سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اس غلام کے سر کا فدیہ دے اور اس کے دیون ادا کر دے ورنہ دائنین اس غلام سے ''سعایہ''(۱۱) سے کرائے اور اگر دائنین اس غلام کو اپنے دیون میں بیچنا چاہیں تو وہ تمام دائنین کی رضامندی یا قاضی کے حکم سے ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر اس طرح تمام دائنین کے دیون غلام کی قیمت سے وصول ہوئے تو ٹھیک ورنہ باقی دیون غلام سے اس وقت وصول کریں گے جب وہ آزاد ہو جائے گا۔(۱۲)

فقہاء کرام نے ایسے عبدِ ماذون کو ''مفلس'' (۱۳) پر قیاس کیا ہے کہ اس پر دیون تو واجب رہتے ہیں لیکن تنگدستی کی وجہ سے اس کو مال ملنے تک مہلت مل جاتی ہے اسی طرح عبدِ ماذون پر دیون تو واجب رہتے ہیں البتہ اس کو آزادی تک مہلت مل جاتی ہے(۱۴) مہلت ملنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس سے دیون ساقط ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کرام کا ایسا کوئی قول نہیں ہے کہ عبدِ ماذون سے اس کی قیمت سے زائد دیون کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے اور آقا کے زندہ ہوتے ہوئے بھی دائنین کا ذمہ ''خراب'' ہو جاتا ہے۔

مفلس

محدود ذمہ داری کے ثبوت میں بعض حضرات شرعی تفلیس (دیوالیہ پن) کو پیش کرتے ہیں۔ان کا کہنا یہ ہے کہ کمپنیوں کی محدود ذمہ داری کے تصور کی بنیاد دراصل شخص قانونی کے تصور پر ہے اور اگر فطری شخص مفلس ہو جائے تو دائنین صرف اس کے اثاثوں سے دَین وصول کر سکتے ہیں۔اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔اس کی دلیل ابو سعید الخدریؓ کی یہ حدیث ہے:

أصیب رجل فی عهد رسول اللهﷺ فی ثمار اتباعها فکثر دینه، فقال رسول اللهﷺ تصدقوا علیه، فتصدق الناس علیه فلم یبلغ ذلك وفاء دینه فقال رسول اللهﷺ : خذواما وجد تم ولیس لکم الا ذ لك ۔(۱۵)

''آنحضرتﷺ کے زمانے میں ایک آدمی کو کھجوروں کی خرید وفروخت میں نقصان ہوا اور اس کے دیون بہت بڑھ گئے۔آپﷺ نے فرمایا:اس پر صدقہ کرلو چنانچہ لوگوں نے صدقہ کیا لیکن وہ دیون کی ادائیگی میں کافی نہ ہوا تو آنحضرتﷺ نے دائنین سے فرمایا: جو تمہیں ملے وہ لو،اس کے سوا تمہارے لیے کچھ بھی نہیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدالت جس کو مفلس قرار دیتی ہے تو دائنین صرف اس کے موجود اثاثوں سے اپنے دیون کی وصولی کر سکتے ہیں اگر موجود اثاثے ان کے لیے پورے نہیں ہوتے ہیں تو مزید کا مطالبہ اس سے نہیں ہوسکتا البتہ اگر وہ شخص دوبارہ غنی ہو جائے تو اب پھر اس سے مطالبہ ہو سکتا ہے لیکن اگر مفلس ہونے کی حالت میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو وہ ''خراب الذمہ'' ہو جاتا ہے اور دائنین کے دیون ادا ہونے کی صورت نہیں رہتی۔ معلوم ہوا کہ شخص حقیقی اگر مفلس ہو کر مر جائے تو اس کی ذمہ داری اثاثوں تک محدود ہوتی ہے اور دائنین کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے،تو جب کمپنی کو بھی شخص قانونی مان لیا گیا ہے تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہو کر تحلیل ہو جائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثاثوں تک محدود ہونی چاہیے اس لیے کہ کمپنی کا تحلیل ہو جانا ہی اس شخص قانونی کی موت ہے۔ (۱۶)

مذکورہ بالا دلیل میں چند باتیں محل غور ہیں:

مفلس سے اس کے موجود اثاثوں سے زیادہ کے دیون کا مطالبہ نہیں ہو سکتا ہے۔

مفلس اگر حالت افلاس میں ہی فوت ہو جائے تو دائنین کا دَین ساقط ہو جاتا ہے اوران کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے۔

شخص قانونی کو تسلیم کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محدود ذمہ داری کو مان لیا جائے۔

ان تینوں باتوں پر علی الترتیب بحث اوران کی حقیقت حسب ذیل ہے:

مفلس سے دیون کا مطالبہ

مفلس سے موجود اثاثوں سے زیادہ کے عدم مطالبہ کی دلیل میں حضرت ابوسعید الخدریؓ کی حدیث میں قطع نظر دیگر دلائل کے، خود اس کے خلاف دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص مدیون پر صدقہ کرلو۔ اگر دائنین کو مطالبہ کا حق نہ تھا اور مدیون سے دَین ساقط ہو چکا تھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس پر صدقہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ اور دائنین سے سیدھا یہ کیوں نہ فرمایا کہ یہ آدمی مفلس ہے اور تمہیں اس سے دَین کے مطالبے کا حق نہیں۔

علاوہ ازیں ''خذوا ما وجد تم ولیس لکم الا ذلک'' کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ موجود اثاثوں سے زیادہ دیون کے بارے میں تمہارا کوئی حق نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال تمہیں اتنا ملا اور اس سے زیادہ دیون کی وصولی کے لیے تم مدیون کے یسار (مال داری) کا انتظار کرو۔ جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾ (۱۷)

''اگر مدیون تنگ دست ہے تو اس کی کشادگی تک انتظار کرو۔''

چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شیخ عبدالغنی مجددی دہلویؒ فرماتے ہیں:

ای لیس لکم زجرہ وحبسہ لانہ ظھر افلاسہ واذا ثبت افلاس الرجل

لا يجوز حبسه في الدين بل يخلي ويمهل إلى ان يحصل له مال فياخذه الغرماء حينئذ .... وليس معناه انه ليس لكم ابداً الا ما وجد تم وبطل ما بقي لكم من ديونكم (۱۸)

''یعنی تمہارے لیے اس کو ڈانٹنے اور قید کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس کا دیوالیہ ہونا ظاہر ہوا اور جب کسی آدمی کا دیوالیہ ہونا ثابت ہو جائے تو دَین میں اس کو قید کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو چھوڑ کر مہلت دی جائے گی تا آنکہ اس کو مال ملے اس وقت دائنین اس سے اپنے دیون لے لیں گے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تمہارے لیے اب کبھی بھی کچھ نہیں مگر جو تم نے پایا اور تمہارے بقیہ دیون ساقط ہو گئے۔''

امام نوویؒ نے بھی اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ (۱۹)

ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو واضح ہے کہ اس حدیث میں دیون کے ساقط ہونے کا حکم نہیں ہے اس لیے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جب مفلس کو مال ملا تو اس کے حق دار دائنین ہوں گے۔ اگر ان کے دیون اس کے ذمے باقی نہ ہوتے تو ان کو یہ حق کیسے ملتا اور جب ان کا حق باقی ہے تو ان کو مطالبے اور لزوم کا حق بھی حاصل ہے تا کہ وہ کچھ کمائے اس سے دائنین اپنا حق وصول کرتے رہیں۔ (۲۰)

مذکورہ بالا مسئلے پر ابوبکر جصاصؒ نے حضرت عائشہؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ اور حضرت عباسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (۲۱)

مفلس کی موت سے دَین کا سقوط

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جب مفلس حالتِ افلاس میں وفات پا جائے تو اس سے دائنین کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے اور میت کے اثاثوں سے زائد دیون اس سے ساقط ہو جاتے ہیں، تو اس بارے میں فقہاء کرام کے ہاں یہ بحث ہے کہ اگر کوئی دیوالیہ ہو کر مر جائے اور اس کا اثاثہ ترکہ نہ ہو کہ جس سے دیون کی ادائیگی ہو سکے تو کیا دائنین میت کی طرف سے کفالت کا تقاضا کر سکتے ہیں:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی کفالت درست نہیں، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفالت درست ہے۔ کفالت کی درستی کا مطلب ہی یہی ہے کہ میت مفلس سے موت کی وجہ سے دَین ساقط نہیں ہوتا۔(۲۲)

اکمل الدین البابرتی فرماتے ہیں مدیون مفلس کی موت کی وجہ سے اس سے دین نہ تو دنیا کے اعتبار سے ساقط ہوتا ہے اور نہ ہی آخرت کے اعتبار سے۔ وہ فرماتے ہیں:

''احکام آخرت کے حق میں دَین کے ثبوت و بقاء میں تو کلام نہیں اور دنیا کے احکام کے حق میں بھی یہ دین ثابت ہے۔ کیونکہ دین بلا خلاف دائن کے حق کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور اس طرح واجب شدہ دین یا تو حق دار کے معاف کرنے یا مدیون کی ادائیگی اور یا سبب وجوب کے ختم ہونے سے ساقط ہوتا ہے یہاں ان وجوہات میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو دین کے ساقط ہونے کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ احکام دنیا میں اس کے ثبوت کی دلیل یہ بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی بطور تبرع کے میت کا دَین ادا کر دے تو یہ درست ہے۔ اگر مفلس کی موت سے اس کا دَین ساقط ہوتا تو دائن کے لیے تبرع کرنے والے سے دَین لینا جائز نہ ہوتا۔ جب کہ مدیون مفلس کی طرف سے اس دَین کا کوئی کفیل ہو یا مدیون کا مال ہو تو بالاتفاق دَین باقی رہتا ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ موت ثبوت کے وصف کو نہیں بدلتی۔''(۲۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

''میت مفلس سے دَین ساقط نہیں ہوتا ہے بلکہ جب بھی دائن کو اس کا مال ملے تو وہ اس سے اپنا پورا دَین وصول کرے۔'' (۲۴)

اس کی دلیل میں وہ حضرت ابوھریرہؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه (۲۵)

''مؤمن کی جان دَین کے بدلے بندھی رہتی ہے تا آنکہ وہ اس کی طرف سے ادا کر دیا جائے۔''

عبدالرحمٰن مبارک پوری نے ''قوت المغتذی'' کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

''حضرت ابوھریرہؓ کی مذکورہ حدیث میں ہر میت مدیون داخل ہے چاہے اس نے اتنا ترکہ چھوڑا ہو کہ جس سے دَین کی ادائیگی ممکن ہو یا کچھ بھی نہ چھوڑا ہو۔'' (۲۶)

ابو بکر الجصاصؒ فرماتے ہیں:

ان المطالبة واللزوم لا يسقطان عن المعسر كما لم تسقط عنه المطالبة بالموت وان لم يدع له وفاء (۲۷)

''تنگ دست سے مطالبہ ولزوم ساقط نہیں ہوتے جیسا کہ اس سے موت کی وجہ سے مطالبہ ساقط نہیں ہوتا اگرچہ وہ اتنا ترکہ نہ چھوڑے کہ جس سے دَین کی ادائیگی ہو۔''

آنحضرتﷺ سے اس بارے میں اتنی سختی ثابت ہے کہ وہ مدیون مفلس کا جنازہ اس وقت تک نہیں پڑھاتے تھے جب تک کوئی اس کے دَین کی ادائیگی کی ذمہ داری نہ لیتا۔ اس مضمون کی حضرت انسؓ کی روایت امام بیہقیؒ نے، (۲۸) حضرت جابرؓ کی روایت امام ابوداؤدؒ نے، اور حضرت ابوھریرہؓ کی روایت امام مسلمؒ نے (۳۰) نقل کی ہے۔

دَین حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ حقوق العباد محض توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک حق دار کو اس کی ادائیگی نہ ہو یا معاف نہ کرایا جائے یہ اگرچہ اس کا اخروی حکم ہے لیکن اس کی بنیاد دنیاوی ثبوت ہے ورنہ دنیاوی سقوط کے بعد اس سے مواخذہ کیوں ہو؟ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتﷺ مدیونِ مفلس کا دَین اس کی موت کے بعد بیت المال سے ادا فرماتے تھے (۳۱) اگر دَین قائم نہ رہتا تو بیت المال سے اس کی ادائیگی جائز نہ ہوتی اور جب ثابت ہوا کہ مدیون مفلس کی موت سے دَین کا سقوط نہیں ہوتا تو مطالبے کا حق بھی یقیناً ثابت ہے۔

شخص قانونی اور محدود ذمہ داری

قانونی ماہرین شخص قانونی اور محدود ذمہ داری کو ایک دوسرے کے ساتھ ایسا منتھی نہیں مانتے کہ اگر ایک کو تسلیم کر لیا جائے تو دوسری چیز خود بخود تسلیم کرنا پڑے۔ شخص قانونی کے ہوتے ہوئے بھی حصہ داروں کی ذمہ داری

غیر محدود ہو سکتی ہے اور اس سے کمپنی کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا وہ پھر بھی کارپوریشن ہوگی اور قانونی شخص تصور کی جائے گی۔ چنانچہ Pennington لکھتا ہے:

''تاہم ایک کمپنی کے لیے ممکن ہے وہ اپنے حصہ داروں کی ذمہ داری غیر محدود کر دے۔ اس صورت میں جب کمپنی تحلیل ہوگی تو اس کے واجبات ادا کرنے کے لیے ہر ایک حصہ دار ذمہ دار ہوگا کہ وہ اپنی ذاتی املاک کی آخری پائی بھی جمع کر دے۔ پھر بھی اس قسم کی غیر محدود کمپنی شرکت نہیں بلکہ کارپوریشن ہوگی۔ چنانچہ اس کے قرض خواہ اس کے حصہ داروں پر ان کی ذاتی حیثیت سے ان قرضوں کے بارے میں جو اس نے لیے ہیں، دعویٰ نہیں کر سکتے'' (۳۲)

ذمہ داری کس کی ہو

رہا یہ سوال کہ جب محدود ذمہ داری کا اسلام میں جواز ثابت نہیں تو پھر ان دیون کی ادائیگی کی ذمہ داری کس کی ہونی چاہیے اور کمپنی پر واجب قرضوں اور دیون کی وصولی کس سے کی جائے گی۔

یہ سوال بڑا اہم ہے اس لیے کہ محدود ذمہ داری کے حق میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اس سے دراصل حصہ داروں کے حقوق کا تحفظ مطلوب ہے اور ان کو نا کردہ جرم کی پاداش سے بچانا پیش نظر ہے۔ کیونکہ محدود ذمہ داری کا تصور، جیسا کہ گزر چکا، اس وقت کاروباری قانون میں شامل کیا گیا تھا جب کمپنیوں کے ناظمین (Directors) اور کارندے کمپنی کی طرف سے قرض لیتے اور ادھار خریدتے بیچتے تھے۔ جب کمپنی دیوالیہ ہو کر تحلیل ہو جاتی تھی تو اس کے واجبات اور دیون کی ادائیگی میں بے چارے حصہ داروں کی ذاتی پونجی کام آ جاتی۔ کوتاہی و غفلت کے مرتکب ناظمین وغیرہ ہوتے اس لیے کہ حصہ داران تو کمپنی کے لین دین میں براہِ راست دخل نہیں رکھتے ہیں اس لیے محدود ذمہ داری کے اصول سے ان کو تحفظ فراہم کیا گیا۔

اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے کہ واقعی محدود ذمہ داری سے حصہ داروں کو ضرر سے بچانا مطلوب ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس سے اس قسم کی دوسری خامیاں پیدا نہیں ہو رہی ہیں؟ اس طرح دائنین اور قرض خواہوں کے حقوق ضائع نہیں ہو رہے ہیں؟ ایک کو ضرر و نقصان سے بچانا اور دوسرے کو ضرر و نقصان پہنچانا انصاف نہیں کہلا سکتا۔

اصول ایسا ہونا چاہیے کہ ضرر و نقصان وہی لوگ برداشت کریں جو اس کے حقیقی ذمہ دار ہیں ۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام (۳۴)

''اسلام میں نہ تو ضرر اٹھانا ہے اور نہ دوسروں کو ضرر دینا ہے۔''

چنانچہ فقہاء کرام کے ہاں یہ اصول ہے ''**الضرر یزال**'' ضرر زائل کیا جائے گا، ''**لا ضرر و لا ضرار**'' (۳۵) نہ تو ضرر اٹھانا ہے اور نہ دوسروں کو ضرر دینا ہے۔ اور ''**الضرر لا یزال بمثلہ**'' (۳۶) ضرر کو اس جیسے ضرر سے نہیں زائل کیا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ محدود ذمہ داری کے پردے میں ناظمین (Directors) کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ ناظمین دوسروں کے سرمائے پر پلتے اور خود کمپنی کے بڑے حصے دار ہوتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ کسی صورت میں خسارے کو برداشت کریں۔

عموماً کمپنی کو خسارہ تب ہوتا ہے اور وہ دیوالیہ اس وقت ہوتی ہے جب اس کے اثاثوں (Assets) سے اس کی ذمہ داریاں (Liabilities) بڑھ جائیں۔ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ وہ سودی تمسکات (Bonds) کا اجراء اور قرضوں کا حصول بغیر اس ضمانت کے کر لیتی ہے کہ آیا اس کے اثاثوں میں اس کی گنجائش ہے یا کہ نہیں۔ یہ درحقیقت استقراض کی صورت ہوتی ہے۔ سودی قرضے تو ویسے بھی حرام ہیں اور اگر بالفرض یہ قرضے سودی نہ بھی ہوں تو فقہاء کے ہاں اس کی ذمہ داری حصہ داروں پر نہیں آ سکتی۔ کیونکہ ان کو ذمہ دار ٹھہرانے کی واحد صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ناظمین (Directors) ان سے اجازت لے کر قرضوں کا حصول کر لیں اور یوں یہ ناظمین حصہ داروں کی طرف سے قرض لینے کے وکیل ہوں گے حالانکہ استقراض کی وکالت فقہاء کرام کے ہاں جائز نہیں اور اگر ناظمین نے ایسا کیا تو اس قرض کی ذمہ داری ان پر ہو گی۔

فقہاء کرام لکھتے ہیں:

ولو قال له رب المال استقرض عليّ الفاً وابتع بها على المضاربة فـفعل كان ذلك على نفسه حتى لو هلك في يده قبل ان يد فعه إلى رب المال لزمه ضمانه ، لان الامر بالاستقراض باطل (۳۷)

''اگر مضارب کو رب المال نے کہا کہ میرے ذمے ایک ہزار قرض لو اور اس سے مضاربت کے لیے خریداری کرلو۔ چنانچہ مضارب ایسا کرلے تو یہ قرض مضارب کے ذمہ ہوگا اگر وہی ہزار رب المال کو دینے سے قبل اس کے قبضے میں تلف ہو گئے تو اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی اس لیے کہ قرض لینے کا کہنا باطل ہے۔''

خسارے کی دوسری صورت یہ ہے کہ کمپنی اپنے موجودا ثاثوں سے زائد ادھار پر خریداری کرلے۔ اس کو فقہاء کرام استدانت (To Buy On Credit) کہتے ہیں۔ (۳۸) اور استدانت کا اختیار شرکت و مضاربت میں شرکاء اور رب المال کی صریح اجازت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ہے۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

والشريك لا يملك الاستدانة على مال الشركة من غير ان يؤذن له بذلك كالمضارب (۳۹)

''شریک مالِ شرکت پر ادھار خریدنے کا اختیار نہیں رکھتا بغیر اس کے کہ اس کو اس کی اجازت دے دی جائے جیسا کہ مضارب بغیر صریح اجازت کے اس کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔''

فقہاء کرام مضاربت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''نفس عقدِ مضاربت کی بنیاد پر مضاربت کو استدانت کا اختیار نہیں ملتا اور نہ ہی صوابدیدی اختیار دینے سے اس کو استدانت کی اجازت ملتی ہے۔ مضارب کو استدانت کا اختیار صرف اس وقت ملتا ہے جب رب المال اس کو اس کی صریح اجازت دے۔ (۴۰)

اگر مضارب نے رب المال کی صریح اجازت کے بغیر استدانت کی تو اس کی تمام ذمہ داری مضارب کی ہوگی وہ خریدی ہوئی چیز کا مالک اور اس میں نفع ونقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر مضارب نے رب المال کی صریح اجازت سے استدانت کی تو اس چیز کے دونوں مساوی طور پر مالک اور نفع ونقصان کے ذمہ دار ہوں گے۔ جب کہ ایسی صورت میں استدانت مضاربت نہ ہوگی بلکہ یہ شرکت وجوہ ہوگی البتہ اس سے مضاربت درست ہوگی کیونکہ شرکت وجوہ مضاربت کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے۔ (۴۱)

جب کہ مالکیہ کے نزدیک رب المال کی صریح اجازت سے بھی مضارب کو استدانت کا اختیار نہیں ملتا ہے۔" (۴۲)

ذمہ داری کا تعین

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ کمپنی کے نقد قرض کی صورت میں کمپنی کے ناظمین اس کے ذمہ دار ہوں گے اور وہ ہی اس پر مرتب شدہ نفع کے مالک ہوں گے۔ اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ "الغرم بالغنم" (۴۳) نفع تاوان کے مقابل ہوتا ہے اور "الخراج بالضمان" (۴۴) فائدہ ضمان (Risk) کے عوض ہے۔ حصہ دار اس صورت میں نہ تو اس قرض کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے اور نہ ہی اس پر مرتب شدہ نفع کے مالک ہوں گے۔ اور استدانت کی صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حصہ داروں نے ناظمین کو استدانت کی صریح اجازت دی ہو تو اس صورت کے دیون کے ناظمین اور حصہ دار مساوی ذمہ دار ہوں گے اور نفع کے بھی یہ تمام مالک ہوں گے اور اگر ناظمین نے حصہ داروں کی صریح اجازت کے بغیر استدانت کی تو صرف ناظمین اس کے ذمہ دار اور منافع کے مالک ہوں گے۔ چونکہ اس صورت میں فقہاء کرام استدانت کو شرکتِ وجوہ قرار دیتے ہیں اور اس میں نفع کو ملک کے ساتھ منسلک کرتے ہیں اس لیے کمپنی اگر استدانت حصہ داروں کی صریح اجازت سے کرتی ہے تو اس صورت میں ناظمین اور حصہ دار استدانت میں مساوی ملکیت کے حق دار اور اس بنیاد پر مساوی منافع کے مالک ہوں گے الا یہ کہ اس کے برعکس کوئی تصریح کی گئی ہو۔ (۴۵)

صریح اجازت کی صورت

کمپنی کے لیے استدانت کی اجازت کی صریح شکل یہ ہوگی کہ کمپنی کے اجلاس عام(General Meeting) میں حصہ داروں سے استدانت کی اجازت طلب کر لی جائے۔ اگر تمام حصہ داروں نے اس کی اجازت دے دی تو سب کی ذمہ داری مشترک ہوگی جب کہ اجلاس عام میں بعض حصہ داروں نے اجازت دے دی اور بعض نے نہیں دی تو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ نہ ہوگا بلکہ جنہوں نے اجازت دی ہے وہ تو دیون کے ذمہ دار ہوں گے اور ان کی ذمہ داری غیر محدود ہوگی اور جنہوں نے اجازت نہیں دی ہے وہ نہ تو دیون کے ذمہ دار ہوں گے اور نہ اس پر حاصل شدہ منافع کے حق دار ہوں گے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ دیکھیے Rams, Bernord. D. Law For The Buisnessman, Oceana Publications New York, 1974, P-12

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Pennington, Robert R. Company Law, Butterworths, 5th Edn, 1985, P-6

۳۔ دیکھیے:

The Companies Ordinance (XLVII of 1984) Khyber Law Publishers, Lahore, 1996, Sec:2-(9)

۴۔ الزحیلی، ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، ط ثالثۃ ۱۴۰۹ھ=۱۹۸۹ء: ۸۸۲/۴، ۸۸۳ الخیاط، ڈاکٹر عبدالعزیز عزت، الشرکات فی الشریعۃ الاسلامیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، ط، ثالثہ، ۱۴۰۸ھ۔ ۱۹۸۷ء: ۲۱۰/۲، ۲۱۸۔

۵۔ الخوارزمی، جلال الدین، الکفایۃ مع فتح القدیر، مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ، طبع دوم: ۴۴۰/۷۔

۶۔ ''خرابہ الذمہ'' فقہاء کی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دائن کے دَین کی وصولی کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

۷۔ عثمانی۔ مولانا محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید، ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵ء: ص ۸۳۔

۸۔ المقدسی، ابوعمر محمد بن احمد بن قدامہ، المقنع، امیر دولۃ قطر، ط، ثالثہ، ۱۳۹۳ھ: ۱۴۷/۳۔

۹۔ سلیمان بن عبداللہ، شرح المقنع (محولہ بالا)۔

۱۰۔ الدسوقی، شمس الدین محمد عرفہ المالکی، حاشیہ علی الشرح الکبیر، دار احیاء الکتب العربیۃ، مصر، س۔ن: ۳۰۶/۳۔ الدردیر احمد بن محمد، الشرح الکبیر، مطبعۃ مصطفیٰ الحلبی واولادہ، مصر الطبعۃ الاخیرہ، ۱۳۷۵ھ: ۳۰۶/۳۔ مالک بن انس الامام، المدونۃ الکبریٰ، بروایۃ سحنون، دار الفکر بیروت، س۔ن: ۱۲۶/۴۔ ۱۲۷۔

۱۱۔ ''سعایۃ'' فقہاء کی اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دائنین غلام سے محنت مزدوری کرائیں اور اس طریقے سے جو آمدن ہو گی اس سے دائنین اپنے دیون بتمام وکمال بے باق کریں گے۔

۱۲۔ الحصکفی، علاء الدین محمد بن علی، الدر المختار، مکتبۂ ماجدیہ، کوئٹہ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۴ھ: ۱۱۵/۵۔

۱۳۔ ''مفلس'' فقہاء کے ہاں وہ شخص ہے جس کے اثاثوں سے اس کے دیون زیادہ ہوں اور عدالت نے اس کو دیوالیہ قرار دیا ہو۔

۱۴۔ ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد، فتح القدیر شرح الہدایۃ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، الطبعۃ الثالثۃ: ۶/ ۳۱۹، الفتاوی الہندیہ، المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ، بولاق، مصر، الطبعۃ الثالثۃ: ۱۳۱۰ھ: ۵/ ۷۷، ۸۰، ۸۶۔
۱۵۔ مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن کتاب البیوع، باب استحباب الوضع فی الدین: ۲/ ۱۶، ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، السنن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن، ابواب التجارات، باب تفلیس المعدوم والبیع علیہ: ۲/ ۱۷۰۔
۱۶۔ عثمانی۔ مولانا محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت وتجارت: ۸۲، ۸۳۔
۱۷۔ البقرۃ: ۲: ۲۸۰۔
۱۸۔ دہلوی، شیخ عبدالغنی مجددی، انجاح الحاجۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن: ۲/ ۱۷۰۔
۱۹۔ نووی، محی الدین یحیٰی بن شرف: اکامل شرح مسلم، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن: ۲/ ۱۶۔
۲۰۔ الجصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، س۔ن: ۱/ ۴۷۹۔
۲۱۔ نفس المصدر۔
۲۲۔ ابن ہمام، فتح القدیر: ۶/ ۳۱۷۔
۲۳۔ البابرتی، اکمل الدین، العنایۃ شرح الھدایۃ، مع فتح القدیر، مکتبۂ رشیدیہ، کوئٹہ، الطبعۃ الثالثۃ: ۶/ ۳۱۷۔
۲۴۔ الشافعی، امام محمد بن ادریس، الأم، دارالمعرفۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۹۳ھ۔ ۱۹۷۳ء: ۳/ ۲۱۲، ۲۱۳۔
۲۵۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، فاروقی کتب خانہ، ملتان، س۔ن: ابواب الجنائز، باب ما جآء ان نفس المؤمن معلقة بدنیه: ۱/ ۱۲۸۔
۲۶۔ مبارک پوری، عبدالرحمٰن، تحفۃ الاحوذی، نشر السنۃ، ملتان، س۔ن: ۲/ ۱۶۶۔
۲۷۔ الجصاص، احکام القرآن: ۱/ ۴۷۹۔
۲۸۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ، نشر السنۃ، ملتان، س۔ن، کتاب الضمان، باب الضمان عن المیت: ۶/ ۷۵۔
۲۹۔ ابوداؤد، سلیمان بن اسعث السجستانی، السنن، اسلامی اکیڈمی، لاہور ۱۴۰۳ھ۔ ۱۹۸۳ء، کتاب البیوع، باب فی التشدید فی الدین: ۲/ ۶۲۱۔
۳۰۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب اداء الدین قبل الوصیة والارث: ۲/ ۳۵۔
۳۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب، باب اذا احال دین المیت علی رجل جاز: ۱/ ۳۰۵۔

۳۲۔ دیکھیے Pennington, Company Law, P-02

۳۳۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، کتاب الصلح، باب لاضرر ولاضرار: ۶/۷۰۔

۳۴۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س۔ن: مادہ:۱۹۔

۳۵۔ نفس المصدر، مادہ:۲۰۔

۳۶۔ نفس المصدر، مادہ:۲۵۔

۳۷۔ الفتاویٰ الہندیہ:۴/۳۰۷۔

۳۸۔ الخوارزمی، الکفایۃ:۷/۴۴۱۔

۳۹۔ الکاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۲۸ھ۔۱۹۱۰م: ۶/۶۸۔

۴۰۔ محمد امین بن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۰۴ھ: ۴/۵۴۱۔

۴۱۔ الخوارزمی، الکفایۃ: ۷/۴۴۰۔ الکاسانی، بدائع الصنائع: ۶/۸۷، ۸۸، ۹۸۔

۴۲۔ ابن عبدالبر القرطبی، ابوعمر، یوسف بن عبداللہ، کتاب الکافی فقہ اہل المدینہ المالکی، مکتبہ الریاض الحدیثہ، الریاض، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۹۸ھ۔۱۹۷۸م: ۲/۷۷۱۔۷۷۳۔

۴۳۔ مجلۃ الاحکام العدلیۃ: مادہ:۸۷۔

۴۴۔ نفس المصدر: مادہ:۸۵۔

۴۵۔ السرخسی، شمس الدین ابوبکر بن محمد بن ابی سھل، المبسوط، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، س۔ن: ۱۱/۱۵۴۔